© rasailojaraid.com

''حماستان بمقابلہ فتح لینڈ''
مشرق وسطیٰ میں بہتری کا ایک اور موقع

تحریر: موریل ایسبرگ *

ترجمہ: سید محمد علی بن عزیز

جون ۲۰۰۶ء کے وسط میں اسلامی مزاحمتی تنظیم حماس نے غزہ کی پٹی میں کئی شدید خونی جھڑپوں کے بعد برتری حاصل کرلی اور اس علاقے میں شریعت کی حکمرانی کا اعلان کردیا۔ فلسطینی صدر اور الفتح کے لیڈر محمود عباس نے اس کے جواب میں قومی اتحاد کی حکومت کو توڑ کر ملک میں ہنگامی حالت کے نفاذ کا اعلان کردیا۔ انہوں نے سلام فیاض کی سربراہی میں جو ماضی میں وزیر خزانہ رہے ہیں، حماس اور اس کی دفاعی فوج کو غیر قانونی قرار دے کر انہیں غیر مسلح کرنے کے احکامات جاری کردیے۔ یوں انہوں نے حماس سے کسی بھی قسم کے تعاون کو مسترد کردیا۔ اسرائیل اور عالمی برادری نے اس اختلاف کو فلسطینی اتھارٹی کی امداد جاری رکھنے اور فلسطین کے ساتھ سفارتی تعلقات ازسرنو شروع کرنے کا ایک مناسب موقع قرار دیا۔

جون ۲۰۰۶ء کے وسط تک فلسطینی علاقوں میں دو حکومتیں موجود تھیں۔ حماس غزہ کی پٹی پر حکمران تھی اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کے علاقے میں ہنگامی حکومت (جسے جولائی ۲۰۰۶ء میں نگران یا عبوری حکومت کہا جانے لگا تھا) سلام فیاض اور محمود عباس کے باہمی تعاون سے قائم تھی۔

---

*زیر مطالعہ مضمون German Institute for International and Security Affairs, SWP Comments 14, July 2007 میں Hamastan Vs. Fatahland: A Chance for Progress in the Middle East? کے عنوان سے شائع ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حماس کی قیادت فیاض حکومت کو اس بنیاد پر غیر قانونی قرار دیتی ہے کہ فلسطینی قانون میں کسی حکومت کے جائز قیام کے لئے فلسطینی قانون ساز کونسل (پی-ایل-سی) کی منظوری ضروری ہے۔ حماس کے مطابق سابق وزیر اعظم اسماعیل ہانیہ کی حکومت جائز عبوری حکومت کے طور پر اس وقت تک معتبر ہے جب تک کہ نئی حکومت کو فلسطینی قانون ساز کونسل کی منظوری نہ مل جائے۔ یہ صورتحال قومی اتحاد کی حکومت کو از سر نو فعال بنانے اور جنوری ۲۰۰۷ء میں ہونے والے مکہ معاہدے کے نفاذ کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔

حماس خاص طور سے تمام سکیورٹی اداروں کو وزارت داخلہ کے تحت لانے کی بات کرتی ہے تا کہ فلسطینی اتھارٹی اور تحریک آزادی فلسطین میں اختیارات کی موثر تقسیم ہو سکے۔ حماس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ غزہ کی پٹی میں اس کے اقدامات بنیادی طور پر الفتح کے خلاف نہیں تھے۔ بلکہ الفتح میں موجود ان افراد و عناصر خصوصاً الفتح کی زیر نگرانی کام کرنے والی سیکورٹی فورسز کے خلاف تھے جو مقامی آبادی میں خوف و ہراس پھیلانے، جرائم کا ارتکاب کرنے اور قومی اتحاد کی حکومت کو درست طریق پر کام کرنے سے روکنے میں ملوث تھے۔ اور یہ درست ہے کہ حماس کی جانب سے بنیادی طور پر الفتح کے ان مسلح دھڑوں کے خلاف تشدد کے اقدامات کئے گئے تھے جو قومی سلامتی کے مشیر محمد دہلان کی سرکردگی میں اس لئے قائم کی گئی تھیں کہ حماس کو عسکری اعتبار سے شکست دی جا سکے۔

حماس اور الفتح کی جانب اپنے اپنے استحکام کے لئے کی جانے والی کوششیں

حماس نے غزہ کے علاقے میں اپنی طاقت منوانے کے لئے کی جانے والی پر تشدد کاروائیوں کے ساتھ ہی اپنی عسکری جماعت کے بل بوتے پر معاشرتی اصلاحات کا آغاز کر دیا۔ اس نے مجرموں کے نیٹ ورک کو توڑنا اور الفتح کے عسکریت پسندوں کو غیر مسلح کرنے کو اپنی ترجیح بنالیا۔ نتیجتاً غزہ کے عوام نے امن وامان کی حالت میں خاطر خواہ بہتری کو واضح طور پر محسوس کیا۔ حماس اس بارے میں بھی محتاط رہی کہ اسکے ان اقدامات سے غزہ کے عوام اس سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ اس سے قبل آزادی اظہار پر پابندی تھی اور ذرائع ابلاغ کو بھی کام نہیں کرنے دیا جاتا تھا۔ لوگ اپنی سوچ کا اظہار کرنے سے خائف تھے۔ جولائی ۲۰۰۶ء میں حماس نے، بی بی سی کے صحافی ایلن جونسٹن کو جسے مارچ ۲۰۰۶ء میں جیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاسلام نامی تنظیم نے یرغمال بنایا تھا، آزاد کرالیا۔ حماس نے اپنے عسکری دھڑے غزہ کی پٹی اور مصر کے درمیانی علاقے میں بھی متعین کرنا شروع کر دیے (یہ علاقہ فلاحی لائین کہلاتا ہے) تا کہ رفح کی سرحد کو کھلوایا جا سکے۔

تاہم اسی دوران حماس کی قیادت ''قسام بریگیڈ'' کی جانب سے غزہ کے علاقے سے اسرائیل پر ہونے والے راکٹ حملے رکوانے میں ناکام رہی۔ کافی طویل دورانیے کے بعد عزالدین القسام بریگیڈ نے اسرائیل کے فضائی اور زمینی حملوں میں حماس کے کارکنان کے ہلاک ہونے کے ردعمل کے طور پر راکٹ حملے کرنا بند کئے حالانکہ شروع میں ان حملوں کی شدت بھی کم تھی۔ بظاہر یہ سب سیاسی قیادت کی مرضی کے خلاف تھا جو واضح طور پر علاقے میں امن و امان کی بحالی اور اسرائیل کے ساتھ طویل عرصے تک جنگ بندی کے حصول کو اپنی ترجیح قرار دے چکی تھی۔ تاہم جب تک اسرائیل کی جانب سے حماس میں موجود بنیاد پرستوں کو کچلنے کے لئے فوجی طاقت کا استعمال ہوتا رہے گا۔ حماس کے لئے ایسے عناصر کو جوابی کارروائیاں کرنے سے باز رکھنا بہت مشکل ہوگا۔

دریائے اُردن کے مغربی کنارے کے علاقے میں موجود الفتح اور الاقصیٰ بریگیڈ کے کارکنان الفتح کے کارکنان کی سرعام گوشمالی اور بے عزتی کرنے لگے تو انہیں حماس کے بدلہ لینے کے لئے کئے جانے والے اقدامات قرار دیا گیا ہے۔ فی الوقت علاقے میں عارضی طور پر ہی سہی لیکن تشدد کی ایک اور لہر کو اٹھنے سے روک دیا گیا ہے۔ حالانکہ الفتح کی اکثریت والے عسکری دھڑوں نے حماس کے اداروں اور ڈھانچے پر مغربی علاقے میں حملے بھی کئے ہیں۔ صدر نے سرعام اسلحہ رکھنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ یہ ایک ایسا قدم ہے جس کے باعث الاقصیٰ بریگیڈ کے بھی چند کارکنان رضاکارانہ طور غیر مسلح ہو گئے ہیں۔ معاہدے کے تحت الفتح سے تعلق رکھنے والے قریباً ۱۸۰ عسکریت پسندوں کو جو مشن سیکورٹی ایجنسی کو مطلوب تھے، تین ماہ کے لئے اس شرط پر گرفتاری اور سزا سے آزمائشی طور پر مبرا قرار دے دیا گیا، کہ وہ اپنے ہتھیار جمع کرا دیں گے اور آئندہ پر تشدد کارروائیوں سے پرہیز کریں گے۔ معاشرے سے حماس کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے صدر محمود عباس نے واضح حکم نامہ جاری کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جس کے تحت تمام غیر سرکاری تنظیموں کو خود کو رجسٹر کرانے کے لئے ازسرنو وزارت داخلہ میں درخواست دینا ہوگی۔ جبکہ وزارت داخلہ کو اس سلسلے میں کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ جس تنظیم کے لائسنس کو چاہے منسوخ، تبدیل یا منظور کرسکتی ہے اور اس سلسلے میں تبدیلی سے متعلق ہر قسم کے اقدامات کی مجاز ہے۔ یوں غیر سرکاری تنظیموں سے متعلق قانون میں بنیادی تبدیلی لاکر معاشرے میں سیاسی و سماجی آزادی پر ایک اور قدغن لگادی گئی ہے۔

صدر محمود عباس اور فیاض کی حکومت، عوام کے بنیادی حقوق غصب کر کے قائم رکھی گئی ہے اس لیے کہ نگران حکومت پی-ایل-سی میں واضح اکثریت حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی جو قانون کا بنیادی مطالبہ ہے۔ فی الواقع فلسطین میں قائم کی جانے والی یہ حکومت اس وقت مفلوج ہوگئی تھی جب حماس نے اس کے پہلے ہی اجلاس کا نہ صرف خود بائیکاٹ کیا بلکہ غزہ میں موجود دیگر ہم خیال گروہوں کو بھی اس میں شمولیت سے روک دیا۔

جواب میں الفتح نے بھی حماس کی جانب سے بلائے جانے والے پی-ایل-سی اجلاس کا بائیکاٹ کیا۔ ان دونوں کوششوں میں موثر اجلاس کے لئے کارکنوں کی کم از کم تعداد کی موجودگی کی شق پوری نہ ہوسکی۔ لہٰذا عبوری اور نہ فیاض حکومت کو پارلیمانی منظوری مل سکی۔ چنانچہ جیسے ہی تیس دن کی مقررہ مدت ختم ہوئی، صدر عباس نے ہنگامی حکومت ختم کر کے وزیر اعظم فیاض کو ایک وسیع نگران حکومت کا سربراہ بنا دیا جس کے ارکان کی تعداد بھی ہنگامی حکومت کے ارکان سے زیادہ تھی۔ چونکہ صدر عباس کو ہنگامی حکومت توڑنے کا قانونی اختیار حاصل نہیں تھا، انہوں نے غیر قانونی طریقے سے حکومت جاری رکھی اور یہ واضح کر دیا کہ وہ آئندہ بھی فلسطینی اتھارٹی کی قانون ساز کونسل کے بجائے تنظیم آزادی فلسطین کے اداروں پر زیادہ انحصار کریں گے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی حکومت کو مزید مضبوط بنانے کے لئے تنظیم آزادئ فلسطین کی مرکزی کونسل کو رملہ میں ملاقات کی دعوت دی جس میں الفتح کے کارکنان کو اکثریت حاصل ہے اور جو صدر کے خیال میں زیادہ اختیارات کی حامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصادم کا پس منظر

غزہ کی پٹی میں ہونے والے مسلح تصادم قطعاً حیران کن نہیں تھے۔ بلکہ یہ جنوری ۲۰۰۶ء میں ہونے والے فلسطینی انتخابات کے بعد پیش آنے والے واقعات کا نتیجہ تھے۔ تصادم کی جڑیں خاص طور سے سابقہ حکمران جماعت الفتح اور عالمی برادری کے انتخابات میں حماس کی فتح کے طور پر پیش کئے جانے والے رویے میں ہیں۔ جنوری ۲۰۰۶ء میں ہونے والے الیکشن کو عالمی برادری کی جانب سے منصفانہ اور آزادانہ قرار دیا جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ علاقے میں حماس کو ۱۳۳ میں سے ۷۴ نشستیں حاصل کر لینے کے بعد الفتح کے مقابلے میں واضح اکثریت حاصل تھی جس کی صرف ۴۵ نشستیں تھیں۔ چونکہ حماس کی قیادت قومی اتحاد کی حکومت بنانے کے لئے الفتح کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی، لہذا اس نے مارچ ۲۰۰۶ء کے وسط میں وزیر اعظم اسماعیل ہانیہ کی سرکردگی میں حماس کی قیادت کے ساتھ بعض آزاد عناصر اور چند ماہرین فن کو شامل کر کے حکومت بنائی۔

اس کے بعد الفتح کی اکثریت والے دفاعی دھڑوں اور الفتح کے اپنے مسلح گروہوں کے حماس کے گروہوں سے پر تشدد تصادم کے کئی دور چلے۔ مارچ ۲۰۰۶ء اور مئی ۲۰۰۶ء کے درمیان دو سو سے زائد فلسطینی تصادم میں مارے گئے۔ اس تنازع کو مزید ہوا یوں دی گئی کہ الفتح انتخابات میں اپنی شکست کو تسلیم کرنے اور فتح یاب جماعت کو اقتدار منتقل کرنے پر تیار نہ تھی۔ اس کے برعکس فلسطینی صدر نے عالمی برادری کے تعاون سے ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۴ء تک کی جانے والی تمام اصلاحات ختم کر کے پہلے جیسی صورت حال پیدا کر دی۔ ان اصلاحات کا مقصد فلسطین کے امور خزانہ کو مزید شفاف بنانا، صدر کے مقابلے میں وزیر اعظم کی حیثیت کو مضبوط بنانا اور تمام دفاعی دھڑوں کو وزارت داخلہ کے تحت لانا تھا۔ نتیجتاً حماس حکومت نہ قانون نافذ کرنے والے اداروں پر بھروسہ کر سکی اور نہ ہی انتظامیہ پر کیونکہ ان دونوں اداروں میں الفتح کی اکثریت تھی۔

اسی اثنا میں اسرائیل اور مغرب کی جانب سے حماس حکومت کو تنہا کرنے کے لئے اس حکومت سے کسی قسم کا مکالمہ یا تعاون نہ کرنے کا فیصلہ، اسرائیل کی جانب سے باہمی تجارت اور کسٹم کی ذیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں واجب الا ادا رقومات بھیجنے کے سلسلے کا انقطاع، فلسطینی اتھارٹی کے لئے یورپ کی جانب سے مختص کردہ معاشی امداد کی بندش، امریکہ کی جانب سے اقتصادی پابندیاں وغیرہ دراصل اسماعیل ہانیہ کی حکومت کو معاشی طور پر مردہ کرنے کی کوششیں تھیں۔حماس کی انتخابات میں کامیابی کے فوراً بعد مشرق وسطی کے نگران گروپ (امریکہ، یورپی یونین، روس اور اقوام متحدہ) نے فلسطینی اتھارٹی سے تعاون جاری رکھنے کے لئے تین شرائط پیش کیں۔اول: اسرائیل کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔دوم: اسرائیل اور فلسطین کے درمیان ہونے والے سابقہ معاہدوں کا احترام کیا جائے۔اور سوم: پر تشدد کارروائیوں کو بالعموم ختم کیا جائے۔چونکہ یہ شرائط حماس کی قیادت کے لئے نا قابل قبول تھیں، اسلئے اسماعیل ہانیہ کی حکومت مالی امداد کے لئے متبادل ذرائع تلاش کرنے پر مجبور ہوگئی جس کی ایک مثال ایران ہے۔مزید برآں اس حکومت نے حکومتی فورس کے ساتھ ساتھ (جو برائے نام ہی ہے) اپنے طور پر مضبوط حفاظتی دھڑے بھی قائم کر لئے۔

حماس کے لوگوں کی اکثریت کے مسلح ہو جانے کی ذمہ داری اسرائیل اور مصر پر بھی عائد ہوتی ہے، اس لئے کہ دونوں نے ۲۰۰۵ء میں غزہ کی پٹی سے اسرائیلی فوجیوں کے انخلاء کے بعد فلیڈلفی لائن پر حماس کا مؤثر قبضہ تسلیم نہیں کیا۔انہوں نے اس علاقے میں بین الاقوامی منتظمین کو بھیجے جانے کی رائے کو بھی رد کیا اور وہ خود بھی گزشتہ چند ماہ میں سرحدی راستوں میں زیر زمین بنائی گئی سرنگوں کے ذریعے کی جانے والی اسلحہ کی بھاری کھیپ کی اسمگلنگ کو روکنے میں نا کام رہے۔فقط جولائی ۲۰۰۷ء میں مصر نے اپنے سرحدی علاقے میں فلیڈلفی لائن کے پاس حفاظت پر مامور فوجیوں کی تعداد بڑھائی۔

بالآخر حماس کی سرپرستی میں بننے والی حکومت درست طریقے سے حکمرانی کر سکی اور نہ امن وامان قائم رکھ سکی۔بار بار اٹھنے والی تصادم کی لہروں نے جن پر بمشکل کچھ عرصے کے لئے ہی قابو پایا جا سکا، علاقے کو آخر کار خانہ جنگی کی جانب دھکیل دیا۔

قومی اتحاد کی حکومت ــــ ایک موقع جو گنوا دیا گیا

فروری ۲۰۰۷ء میں سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ کی ثالثی سے ہونے والا مکہ معاہدہ جو الفتح اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حماس میں اختیارات تقسیم کر کے حکومت کرنے کے بارے میں تھا، خونریزی کو عارضی طور پر بند کرنے کا سبب بنا۔ مارچ ۲۰۰۷ء میں اس معاہدے کے تحت قومی اتحاد کی حکومت قائم کی گئی تھی جس میں اسماعیل ہانیہ کو وزیراعظم بنایا گیا تھا۔ اس حکومت میں دو بڑی جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ چھوٹی جماعتوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔

البتہ یہ بات جلد ہی واضح ہوگئی کہ اگرچہ عالمی برادری حکومت کے صرف ان ارکان سے بات چیت کرنے کو تیار تھی جو حماس کے نمائندے نہ ہوں۔ مگر پھر بھی وہ چند مواقع کے سوا حماس کی اکثریت رکھنے والی حکومت سے تعاون کرنے سے گریزاں رہے۔ گو کہ قومی اتحاد کی حکومت کا پروگرام اس چار فریقی گروہ کے معیار کے نسبتاً قریب تھا۔

اس پروگرام میں ان دستاویزات کا حوالہ دیا گیا تھا، جن میں حکومت کو اوسلو معاہدے میں پیش کئے گئے دو ریاستی فارمولے اور عرب لیگ کے ۲۰۰۲ء کے امن کے قیام کے لئے مجوزہ اقدام کے تحت اسرائیل کو مشروط طور پر تسلیم کر لینے کی بات کی گئی تھی۔ حالانکہ فلسطین میں قائم ہونے والی کسی مخلوط حکومت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اس چار فریقی گروہ کی شرائط کو مکمل طور پر مان جائے گی، خواب و خیال ہی تھا، تاہم اس پروگرام کو دو طرفہ بات چیت کا نقطہ آغاز ضرور بنایا جا سکتا تھا۔

جیسا کہ بعد ازاں پیش آنے والے واقعات سے ثابت ہوا، اوپر بیان کئے گئے حالات میں الفتح کی صفوں میں جلد یا بدیر اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے ارادے کو (خواہ اس کے لیے تشدد کا راستہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے) حماس کے رفتہ رفتہ تنہا ہو جانے سے تقویت ملی تھی۔ ۲۰۰۷ء کے موسم بہار میں امریکہ نے الفتح کو براہ راست رقومات، عسکری تربیت اور اسلحہ پہنچانا شروع کر دیا تا کہ اسی جماعت کی حکومت دوبارہ قائم کی جا سکے چاہے اسکے لئے مقررہ مدت سے پہلے انتخابات کرانا پڑیں یا فوجی آمریت کا راستہ اختیار کرنا پڑے۔ اس تمام عرصے میں امریکہ نے، جسے یورپی حکومتوں کی تائید و تعاون بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حاصل ہے، نہ صرف فلسطینی گروپوں کے آپس میں ہونے والے خونی تصادم کو نظر انداز کیا بلکہ جلتی پر تیل ڈالا۔ اس کارروائی کا مقصد وہ نہیں تھا جس کا دعویٰ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے یعنی وہ حماس کو اپنا طرزِ عمل تبدیل کرنے پر مجبور کرنا ہی نہیں چاہتے تھے، بلکہ اس کا مقصد حماس کو سیاسی میدان سے نکل جانے پر مجبور کرنا بھی تھا۔ اسی لئے امریکہ اور یورپی ممالک نے دو جماعتوں کے اشتراک سے مخلوط حکومت بنانے کے معاہدے کی ہر ممکن حوصلہ شکنی کی۔ جیسے جیسے الفتح کی مزید عسکری ملیشیا بنتی گئی، حماس مزید دباؤ میں آتی گئی۔ غزہ کی پٹی میں موجود الفتح کے عسکری یونٹس کو بھاری اسلحہ دیے جانے کے لئے اسرائیل کے جون ۲۰۰۷ء کے آغاز میں منظوری دے دینے کے بعد اور الفتح کی قیادت اور دیگر بیرون ملک مقیم قومی اتحاد کے نمائندوں کی وجہ سے حماس نے بڑھتے ہوئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کیا۔

حماستان بمقابلہ فتح لینڈ

اسرائیل، امریکہ اور یورپی یونین کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ فلسطین اتھارٹی کے درمیان اختلافات ان کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اس کے بارے میں ان کا استدلال یہ ہے کہ نئی صورتحال نے حالات کو واضح کیا ہے اور تعمیری سیاسی عمل کے لئے نئے مواقع مہیا کئے ہیں۔ اس بارے میں ان کی منطقی رائے یہ تھی کہ جبکہ غزہ کی پٹی میں اسلامی جماعتوں کی وجہ سے فلسطین کو تنہا کر دینا آسان تھا، مغربی کنارے میں فیاض حکومت از سر نو تعاون کی راہ ہموار کر سکتی ہے، معاشی ترقی کرنے کی اہل ہے اور دنیا کے ساتھ سفارتی رابطے بحال کرنے کی استعداد بھی رکھتی ہے۔ حماس کو غزہ کی پٹی میں محدود کر دینے سے فلسطینی یہ جان جائیں گے کہ حماس کا انتخاب ایک غلط فیصلہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہتری کی طرف بڑھتا ہوا رجحان اور مغربی کنارے میں نقل و حرکت فلسطینیوں پر یہ بات عیاں کر دے گی۔ کہ الفتح کی صورت میں مستقبل کے بارے میں اچھی امید باقی ہے۔ ایسی صورت حال میں شروع میں ہونے والے پارلیمانی اور صدارتی انتخابات میں الفتح دوبارہ کامیاب ہو کر اقتدار حاصل کر سکتی ہے۔ عبوری دور میں امریکہ اور یورپی یونین نے مبینہ طور پر محمود عباس اور فیاض حکومت کا ساتھ دیا جسکی اپنی قانونی حیثیت کو بھی آئین کے مطابق چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

بحر حال، حماستان بمقابلہ فتح لینڈ جیسا خیال غیر حقیقی ہے، اولاً اس لئے کہ مغربی کنارہ کسی طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بھی فتح لینڈ نہیں ہے۔ جبکہ حماس کو اگرچہ غزہ کی پٹی میں مغربی کنارے سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے وہ اب بھی مغربی کنارے میں ایک مضبوط اثر رکھتی ہے۔ ۲۰۰۶ء کے انتخابات میں اس نے الفتح کی ۱۱ نشستوں کے مقابلے میں ۳۳ نشستیں مغربی کنارے ہی میں حاصل کی ہیں۔ غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے میں حماس کی طاقت کا اصل فرق اسرائیلی فوج کے مغربی کنارے میں موجود ہونے کی وجہ سے نظر آتا ہے کیونکہ اسرائیلی فوج کی موجودگی اور ان کے حماس کے خلاف حملوں نے حماس کے عسکری دھڑوں کو زیر زمین رہ کر کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے، اور اسی طرح اس کے سیاسی دھڑے کو، حماس کے تیس اراکین اسمبلی اور دیگر سیاسی راہنماؤں کی جون ۲۰۰۶ء میں اسرائیلی فوجی گلیڈ شلیت کے اغوا کے جواب میں اسرائیل کے ہاتھوں گرفتاری نے دھچکا پہنچایا ہے۔

ثانیاً، ابھی تک یہ امر بھی یقینی نہیں ہے کہ الفتح کی مصنوعی اور بکھری ہوئی تحریک جسے ابھی تک تیونس کے پرانے راہنما چلا رہے ہیں، ویسا کردار ادا کر سکتی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں مغرب کو گمان ہے کہ یہ ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوگا۔ الفتح نے جنوری ۲۰۰۶ء کے عام انتخابات میں شکست اسی لئے کھائی کہ اس کی اندرونی تقسیم اور نالائقی ایک بے سروپا انتخابی مہم میں واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس کے بعد سے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس سے لوگوں کو اس خیال پر نظر ثانی کرنا پڑے کہ الفتح کی حکومت کا مطلب دوبارہ بدعنوانی اور نااہل حکمرانی کا آغاز ہوگا۔

الفتح کی حصول آزادی کی یہ حکمت عملی بھی ناکام رہی کہ اسرائیل سے تعاون اور بات چیت سے آزادی حاصل کی جائے۔ اس کے باوجود رائے شماری سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ انتخابات کے بعد سے اب تک حماس کی بھرپور عوامی مقبولیت میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ تاہم الفتح کی کامیابیاں بھی قابل ذکر نہیں ہیں۔ الفتح گزشتہ ڈیڑھ برس سے اپنی کوئی اصلاحات لانے میں کامیاب نہیں ہوئی جن کا بہت شور سنا جا رہا تھا۔ وہ اب تک مختلف خیال افراد پر مشتمل گروہوں میں اتفاق رائے پیدا کرنے میں اور اپنے نظام کو جدید بنانے میں ناکام رہی ہے۔ اس سے زیادہ اہم امر یہ ہے کہ اگر الفتح کی قیادت اسرائیل کے ساتھ قیام امن کا کوئی لائحہ عمل طے کرنے میں یا اس قسم کا فقط معاہدہ ہی کر لینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کامیاب ہو بھی جائے تو انہیں اس نفاذ کے لئے حماس کی بھرپور مدد درکار ہو گی۔

اسرائیل کی حرکات

ثالثاً، کافی کچھ اسرائیل پر منحصر ہے۔ الفتح اور فلسطینی صدر کی حیثیت اسی وقت مسلمہ ہو سکتی ہے اور معاملات اس صورت میں امید افزا بن سکتے ہیں جب اسرائیلی حکومت مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنے کے لئے کوئی واضح قدم اٹھائے۔ لیکن اس معاملے میں اسرائیل سے کوئی عملی اقدام کرنے کی امید رکھنا خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حالانکہ اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے صدر محمود عباس سے ان معاملات پر باقاعدہ بات چیت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ مگر وہ کوئی ایسا واضح لائحہ عمل بنانے سے انکار کر چکے ہیں جس سے امن و امان کی حالت کو فوری طور پر بہتر بنانے میں (امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ کونڈا لیزا رائس کی تجاویز کی روشنی میں) مدد مل سکے۔

۲۵ جون ۲۰۰۷ء کو شرم الشیخ میں ہونے والے معاہدے میں اسرائیل، اردن اور مصر نے متفقہ طور پر محمود عباس کو سہارا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اولمرٹ نے اپنی جانب سے جو اقدامات کئے اس میں فلسطینی کسٹم کو فنڈز تقریباً سات سو ملین امریکی ڈالر، آہستہ آہستہ فلسطین کو دینے کا ارادہ کیا (قریباً ۱۱۸ ملین ڈالرز جولائی ۲۰۰۷ء کو فلسطینی اتھارٹی کو پہلی ادائیگی کے طور پر دیے جا چکے ہیں)۔ اس کے علاوہ ان میں اسرائیلی جیلوں سے الفتح اور تنظیم آزادی فلسطین کے دیگر بائیں بازوؤں کے ڈھائی سو قیدیوں کی رہائی، فیاض حکومت کے ارکان کو انتہائی اہم شخصیت کا درجہ دینے اور قیام امن کے لئے دوبارہ تعاون شروع کرنے جیسے اقدامات بھی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسرائیل مغربی کنارے میں سڑکوں پر سے انفرادی رکاوٹیں ہٹانے کا ارادہ رکھتا ہے، اپنی بہت سی چیک پوسٹوں کو ختم کرنا چاہتا ہے، تنظیم آزادی فلسطین کے چیدہ چیدہ راہنماؤں کو مرکزی کونسل کے رملہ میں ہونے والے اجلاس میں شرکت کے قابل بنانے کے لئے خصوصی اجازت نامے اور الفتح کو مضبوط بنانے کے لئے ہتھیاروں کے حصول کے اجازت نامے بھی دینا چاہتا ہے۔ اسی دوران صدر محمود عباس نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ اردون کی فوج میں موجود فلسطینی دستوں کو (جو برائے نام البدر بریگیڈ بھی کہلاتے ہیں) اور الاقصیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بریگیڈ کو حماس کے خلاف کیے جانے والے عسکری اقدامات میں استعمال کیا جائے۔ یہ سب صرف اس لئے پیش کیا گیا کہ اسرائیل نے الفتح سے تعلق رکھنے والی چند ملیشیا کو مشروط طور پر معافی دینے کا اعلان کیا تھا۔

درحقیقت عباس اور فیاض حکومت کو مضبوط کرنے والا اصل اقدام، روکے گئے فنڈز کا اجرا ہے۔ یہ اقدام حکومت کو سرکاری ملازمین کی تنخواہ دینے کے لائق بنائے گا جنکی تنخواہ یا تو گزشتہ ۱۵ ماہ سے دی ہی نہیں گئی یا پھر انہیں پوری تنخواہ نہیں مل سکی۔ دیگر اقدامات محمود عباس کو تمام فلسطینیوں کے صدر کے طور پر مقبول کرنے کے بجائے اس کے برعکس تاثر کے قیام کا باعث بنیں گی۔ اسوقت عباس کی حیثیت ایک معاونِ کار کی سی نظر آتی ہے، جبکہ فیاض حکومت محض کٹھ پتلیوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے، اور الفتح کی اکثریت والے عسکری دھڑے ایک قابض فوج نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی فوج غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے سے فلسطینیوں کو ہلاک اور گرفتار کرنا جاری رکھے ہوئے ہے۔

اس ذیل میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ حال ہی میں جن اقدامات کا اعلان کیا گیا ان سے کوئی بھی امیدافزا صورتحال پیدا نہیں ہوسکے گی اور نہ مغربی کنارے میں اس سے مستقبل میں کوئی بہتری یا قابل عمل صورت پیدا ہونے کا امکان ہے۔ فلسطین کی معیشت مستقل بنیادوں پر گزشتہ نقصانات کی تلافی سے قاصر رہے گی۔ اس وقت بھی مغربی کنارے میں سڑکوں پر ۵۵۰ رکاوٹیں اور تلاشی لینے کے مقامات ہیں۔ اس کے علاوہ الفتح اور حماس کے درمیان عسکری تصادم کی خواہش رکھنا علاقے میں صورتحال کو معمول پر لانے میں مددگار ثابت نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے یہ خدشات منسلک ہیں کہ کہیں یہ اندرونی تشدد بالاخر خانہ جنگی کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ اس قسم کے حالات میں فلسطینی علاقوں میں سرمایہ کاری کے امکانات بھی بہت کم رہ جائیں گے۔

اضافی خطرات

غزہ کی پٹی کی آبادی پر انسانی جانوں کو خطرات میں ڈالے بغیر دباؤ بڑھانا بھی ناممکن ہوگا۔ یہاں تک کہ تشدد کے آخری دور سے قبل بھی غزہ کی پٹی میں دفاتر میں کام کرنے والوں کی تعداد فقط ۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصد تھی جبکہ غربت کی شرح ۷۵ فیصد تھی اور قریباً دو تہائی آبادی کا انحصار صرف بیرونی امداد اور بحری جہازوں کے ذریعے جانے والی اشیاء پر تھا۔ ان حالات میں عباس اور فیاض بے شک اسماعیل ہانیہ کی حکومت کو سیاسی طور پر دنیا سے الگ نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسی لئے جولائی ۲۰۰۷ء کے آغاز میں انہوں نے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی، دونوں علاقوں میں سرکاری ملازمین کی تنخواہیں ادا کر دیں۔ حماس کے اقتدار حاصل کرنے کے بعد اسرائیل نے انسانی ضروریات زندگی سے متعلق اشیاء کی درآمد کی اجازت تو دے رکھی تھی لیکن تجارتی مال کی درآمد و برآمد پر مستقل طور پر پابندی برقرار رکھی تھی۔ نتیجتاً غزہ کے علاقے میں ۸۰ فیصد نجی شعبے کی صنعتیں جن کا انحصار بیرونی دنیا سے آنے والے خام مال، مشینری اور مرمت کے سامان پر تھا، عارضی طور پر بند کر دینا پڑیں۔ زرعی شعبے بھی تعطل کا شکار ہو گئے۔

اس سوچ کو برقرار رکھنے میں یہ خطرہ موجود ہے کہ حماس اپنی موجودہ تعاون پر مبنی حکمت عملی ترک کر دے گی۔ فی الوقت حماس اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کو برقرار رکھنا اور اسے مغربی کنارے تک توسیع دینا چاہتی ہے۔ البتہ، اگر حماس کو بین الاقوامی طور پر یونہی تنہا رکھا جاتا رہا اور اسرائیل کی جانب سے اس کے خلاف عسکری اقدامات جاری رہے تو اس امر کا شدید خطرہ درپیش ہے کہ حماس جنگ بندی برقرار رکھنے کی سوچ تبدیل نہ کر دے۔ بڑھتا ہوا دباؤ ان خطرات سے بھی دوچار کر رہا ہے کہ غزہ کی پٹی میں بنیاد پرستوں کی رائے کو قبول عام حاصل ہو جائے گا۔ سلفی اور جہادی گروہوں کی تعداد بڑھے گی جو حماس کے برعکس ایک قومی رائے عامہ کے حصول اور علاقے میں استحکام برقرار رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔

مزید برآں عالمی برادری کی نئی (اور پرانی) سوچ کے مطابق علاقے میں دو ریاستوں کا تصور غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ اس سوچ نے قلیل عرصے کے استحکام کی خاطر فلسطین کے جمہوری اور حکومتی اداروں کی ترقی کو قربان کر دیا ہے۔ ایسی سوچ سے مغربی کنارے قائم ریاست وسیع طور پر بکھرتی ہوئی حالت کو بہتر بنانے میں بھی ناکام ہوئی ہے جہاں آبادکاریوں کا پھیلاؤ اور علاقے کو تقسیم کرنے والی سرحد کی تعمیر جاری ہے اور جس کی وجہ کے فلسطینی ریاست کے لئے مناسب علاقہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلے کے وہ متبادل حل، جو چند اسرائیلیوں اور عالمی سیاست کے جغادریوں کی جانب سے پیش کئے جاتے ہیں (مثلاً اردن آپشن یا اردن-مصر آپشن وغیرہ) کوئی معاونت نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے انہیں آخری مراحل کے تصفیے کے لئے کی جانے والی بات چیت میں متبادل کے طور پر شامل نہیں کیا جاسکتا۔

لہٰذا جرمنی اور یورپ کو اپنی حکمت عملی میں مندرجہ ذیل امور پر توجہ مرکوز رکھنا ہوگی۔

۱) غزہ کی پٹی میں انسانی جانوں کے ضیاع کو روکنے کی کوشش
۲) غزہ اور مغربی کنارے میں معیشت کی تعمیر نو کے لائحہ عمل کا تعین
۳) فلسطینیوں کی سیاسی تجدید کی حمایت
۴) فلسطینی اداروں کے انتظامی امور میں بہتری لانے کی کوشش
۵) مشرق وسطیٰ کے چار فریقی گروہ کے شرکاء کے عرب امن اقدام کو ملا کر دو ریاستوں کے مجوزہ حل کے سلسلے میں پیش رفت

غزہ کی پٹی سے نمٹنا

یورپ کی حکمت عملی میں سب سے اہم اور مقدم امر غزہ کی پٹی میں استحکام لانا ہونا چاہیے خواہ یہ سب کچھ حماس کے دور اقتدار میں ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس دوران انسانی جانوں کے نقصان سے بچنا بہت ضروری ہے اس سب کے لئے مندرجہ ذیل باتیں توجہ طلب ہیں:

- امداد دینے والے عالمی اداروں سے مل کر انہیں ہنگامی امداد مہیا کی جائے
- اسرائیل کو جو مستقل طور پر غزہ کی پٹی کی سرحدوں کا نگران ہے اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ انسانی امداد کے لئے سرحدوں کو کھلا رکھے اور پانی، ایندھن اور بجلی کی فراہمی منقطع کرنے کی دھمکیوں سے باز رہے۔
- اس خیال کی جو فی الوقت بہت نمایاں طور پر پیش کیا جا رہا ہے، شدت سے نفی کی جائے کہ غزہ کی پٹی اب دہشت گردوں کی آماج گاہ بن گئی ہے، لہٰذا اکسٹم یونین اور اس قسم کے دیگر معاہدوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطلاق اس علاقے پر نہیں ہوتا۔

- انسانی حقوق اور شہری آبادیوں سے متعلق عالمی قوانین کا اس علاقے میں اطلاق کرانے کے لئے آواز بلند رکھنا۔

اس کے ساتھ ساتھ حماس کے مسلح ہونے سے متعلق جائز اسرائیلی خدشات وتحفظات پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ البتہ اس سلسلے میں فوجی طاقت کا استعمال بالکل نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس کے برعکس، فلیڈلفی لائن کی سرحد پر پہرہ سخت کر کے ہتھیاروں کی سمگلنگ پر مکمل قابو پانا چاہیے۔ اس ذیل میں مطلوبہ نتائج رفح میں یورپی یونین کے ''بارڈر اسسٹنس مشن'' میں توسیع کر کے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ جو ایم ایف او (ملٹی لیٹرل فورس اور معائنہ کاروں) پر مشتمل ہے اور صحرائے سینا میں قیام پذیر ہے۔ اس سلسلے میں نہ صرف اسرائیل، مصر اور فلسطینی صدر بلکہ غزہ کی پٹی میں موثر قبضہ رکھنے والی حکومت کی منظوری لینا ضروری ہوگا۔

طویل المیعاد معاشی ترقی

اس بات سے قطع نظر کہ غزہ کی پٹی میں کس کا حکم نافذ العمل ہے یہ فلسطینیوں اور یورپی یونین دونوں کے مفاد میں ہے کہ غزہ کی آبادی مستقل بیرونی امداد پر انحصار نہ کیا کرے۔ کسی بھی قسم کی معاشی یا تجارتی سرگرمی کے لئے سرحدوں کا وافر اشیاء کی آمد ورفت وترسیل کے لئے مستقل طور پر کھلا رکھنا ضروری ہے۔

غزہ میں حماس کی جانب سے کئے جانے والے انسانی مظالم کے تناظر میں فی الوقت یورپی یونین کے لئے حماس قیادت سے اعلی سطحی بات چیت شروع کرنا نامناسب ہوسکتا ہے۔ اگرچہ کسی تکنیکی سطح پر یہ سب ناگزیر ہوگا مثلاً یورپی یونین کے ممالک کی مشترکہ حفاظتی اور معائنہ کاروں کی فورس کے ذریعے رفح کی سرحدوں کو کھولنے اور سرحدوں کے مناسب انتظام کے حوالے سے حماس کے حفاظتی دھڑوں سے بات چیت کرنے کی نوبت آسکتی ہے۔

مشرق وسطی دو ریاستوں کے قیام سے متعلق حل کو مکمل طور پر ناممکن بنانے کے لئے غزہ کی پٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مغربی کنارے میں اکائی کو برقرار رکھنا نہایت اہم ہے۔ اس سلسلے میں اپریل ۲۰۰۷ء میں جنرل ڈیٹن کی جانب سے نومبر ۲۰۰۵ء کے معاہدے کا (جو نقل و حرکت کے حوالے سے تھا) اطلاق از بس ضروری ہے۔ مغربی کنارے میں معاشی بحالی کا عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہوگا جب سخت چیکنگ اور اجازت کے نظام کو ختم کر کے لوگوں کو نقل و حرکت کی آزادی دی جائے۔

فلسطین میں مکمل تصفیہ

حماس کو عسکری مقابلے کے ذریعے شکست دینا خام خیالی ہے۔ خصوصاً اس کی مظلوم سماجی حیثیت کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایسا کرنا عالمی رائے کے سامنے اور بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی کوشش تناؤ اور بنیاد پرستی میں اضافے کا باعث ہوگی۔ حالانکہ فی الحال تو اس بات کا تصور بھی محال ہے، لیکن مستقبل میں حماس اور الفتح کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا ایک نیا معاہدہ ہی فلسطین میں جائز قیادت کو لانے کا سبب بن سکتا ہے۔ اور فقط ایسی ہی قیادت فلسطینی صدر کو وہ بنیاد مہیا کر سکتی ہے جس سے وہ قیام امن کے لئے مؤثر بات چیت کر سکیں اور اس کے نتیجے میں ہونے والے معاہدے پر عملدرآمد کرا سکیں۔

فلسطین کے اندر موجود تنازعے میں فریق بننے کے بجائے جرمنی اور یورپی یونین کو تصفیے کے عمل میں معاونت کرنی چاہیے۔ الفتح اور حماس کو لازمی طور پر اختیارات کی تقسیم کا معاہدہ کرنا ہوگا، اس سوچ کو آئندہ کبھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ جرمنی اور یورپی یونین کو کسی طور سے بھی عسکری دھڑوں کو مسلح کرنے میں معاون نہیں بننا چاہیے۔ اس معاملے میں امریکہ کو بھی ہم خیال بنانا ضروری ہے۔

سرکاری اور انتظامی اداروں کی تعمیر نو

مشرق وسطیٰ کو چار فریقی گروہ کے حال ہی میں بنائے جانے والے مندوب، ٹونی بلیئر کا منشور نہایت درست خطوط پر نہ صرف بین الاقوامی امداد اور معاشی ترقی پر زور دیتا ہے، بلکہ اداروں کی تعمیر و تنظیم، انتظامیہ کی نشاط ثانیہ اور قانون کی بالادستی سے متعلق بھی ہے۔ بنیادی مقصد لازمی طور پر فلسطینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتھارٹی کے انتظامی اداروں کو مؤثر طور پر حکمرانی کرنے کے لائق بنانا ہے۔ اصولی طور پر حکومتی اداروں میں بہتری لانے کے لئے اداروں کا استعمال سیاسی فوائد کے حصول کے لئے کرنے کی روایت کو ختم کرنا ہوگا۔ اس کے برعکس ان اداروں کو شفاف طریقے پر کام کرتے ہوئے جمہوریت کے اصولوں کے مطابق چلنا ہوگا۔ متعلقہ افراد کو مفاد سے بالا تر ہو کر حکومت کے ڈھانچے کو مضبوط بنانے کے لئے کام کرنا ہوگا صرف اسی صورت میں (اور کم از کم اہم سیاسی مخالفوں کے درمیان تصفیے کے بعد ہی) آنے والے انتخابات کو مؤثر سمجھا جاسکے گا۔

عارضی عالمی نظام کو اپنی موجودہ مدت سے زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے۔ جو کہ ستمبر ۲۰۰۷ء میں ختم ہو رہی ہے۔ بلکہ فلسطینی اتھارٹی کو دھیرے دھیرے مالیات کا نظام معمول کے مطابق اور بجٹ کے ذریعے سے سنبھالنا چاہیے۔ عارضی عالمی نظام کو جون ۲۰۰۶ء سے اس لئے ستعمال کیا جارہا ہے کہ فلسطینی اتھارٹی سے بالا ہی بالا فلسطینی عوام کو براہ راست رقومات دی جارہی ہیں تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرسکیں اور سہولیات زندگی کی عدم دستیابی پر کسی طریقے سے قابو پاسکیں۔ یہ طریقِ کار نہ صرف غیر مؤثر اور مالی بے قاعدگیوں کے لئے آسان ثابت ہوا ہے بلکہ اس کا وجود اداروں کی تعمیر نو سے براہ راست متصادم ہے۔ اس نظام کے بجائے وزارت خزانہ کا مرکزی اکاؤنٹ دوبارہ تمام اخراجات اور محصولات کے حساب کتاب کے لئے استعمال کیا جانا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی بجٹ پر پارلیمانی کنٹرول کی بھی از سرنو تجدید ہونا ضروری ہے۔ یورپی یونین کو فیاض حکومت پر بھی اپنا دباؤ ڈال کر یہ باور کرانا چاہیے کہ یہ اس کی خواہشوں کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ نقصان کا سبب بھی ہے کیونکہ غزہ کی پٹی میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اسی صورت میں تنخواہیں جاری کی جاتی ہیں جب وہ اپنا کام نہ کررہے ہوں۔

مزید براں، یورپی یونین مندرجہ ذیل امور کا تہیہ کرے۔

- ہنگامی حالات کو جلد از جلد مختصر کر کے بنیادی قوانین پر مشتمل سیاسی عمل کا آغاز
- فلسطینی صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات اور ذمہ داریوں کی وضاحت اور اس کے ساتھ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسطینی اتھارٹی اور تحریک آزادی فلسطین کے اداروں کی حیثیت اور اختیارات کی وضاحت اور معقول تعین

- اس عمل کے درمیان مسلح دھڑوں کو غیر مسلح کرنا یا انہیں سیاست سے پاک کرنا، وزارت داخلہ کے تحت چلنے والی غیر آئینی مسلّح جماعتوں کو ختم کرنا وغیرہ۔ یہ امر یورپی یونین کی کوششوں میں سب سے اہم ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ یورپی یونین پہلے ہی پولیس کی حامی ہے۔ امن وامان قائم رکھنے والے اداروں کی تنظیم نو کے بغیر دیگر کوششوں کا محدود فائدہ ہوگا۔

دو ریاستی فیصلہ

یورپی یونین کو جان لینا اور اپنے چار فریقی گروہ کے ارکان کو بھی باور کرا دینا چاہیے کہ تنازعے کے عارضی حل کے کے لئے کی جانے والی معمولی کوششیں اسرائیل، فلسطینیوں اور عالمی برادری کسی کے مفاد میں نہیں ہیں۔ اس لئے: (ا) یہ مستقل استحکام کا ضامن نہیں ہے۔ (ب) اس میں زیادہ سے زیادہ معاشی وسائل کا استعمال ہوتا ہے جبکہ معاشی وصولیاں نہیں ہو پاتیں۔ (ج) یہ کسی معاہدے تک پہنچنے کے امکانات کو معدوم تر کرتا جاتا ہے اس لئے اس عمل کا جاری رہنا اور مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے درمیان خلیج کا بڑھنا لازم وملزم ہیں جس کے نتیجے میں یہ خطرہ بھی لاحق ہو رہا ہے کہ فلسطینی اتھارٹی مکمل طور پر ختم ہی ہو جائے۔

جبکہ عرب امن اقدام اور بش انتظامیہ کے اپنی مدت پوری کرنے سے قبل معاہدے کو حتمی شکل دینے کے واضح کردہ مفاد کی روشنی میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ عالمی برادری کے اس ذیل میں تعاون کے امکانات نسبتاً روشن ہیں۔ یورپی یونین کو بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ اسے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرق وسطی کے چار فریقی گروہ کا اعتماد بحال کرنے کے لئے کئے جانے والے اقدامات کے ذریعے مختصر عرصے میں ایک ایسا لائحہ عمل تیار کر کے دینا چاہیے، جس سے دو ریاستی فارمولے کے مطابق مکمل حل کے لئے بعد ازاں کام کرنے میں سہولت رہے۔ فی الوقت یورپی یونین کو آج تک ہونے والے تصفیوں کے نتیجوں کی روشنی میں ایک تحریری حکمت عملی بنا کر دینی ہوگی۔ مشرق وسطی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے چار فریقی گروہ کو اس کے بعد طرفین کو اس حکمت عملی کے نفاذ کے لئے تیار کرنا ہوگا۔ ایسے میں یہ بھی ضروری ہے کہ چار فریقی گروہ کو حتمی طور پر تیار ہونے والے معاہدے کی تفصیلات کے مطابق کی جانے والی بات چیت کی حمایت اور اعانت کرنے اور اس کے نفاذ پر پوری سنجیدگی، مستقل مزاجی، پرعزم ثالثی اور اس کام کے لئے طویل عرصے تک علاقے میں اپنی فوجیں رکھنے کے لئے تیار کیا جائے۔ صرف اسی صورت اور اسی تناظر میں قیام امن کے لئے بھیجی جانے والی عالمی افواج کی علاقے میں موجودگی کا منطقی جواز ہوگا۔ اس فوج کا مقصد حتمی معاہدے کے نفاذ کے لئے امن و امان کی صورتحال برقرار رکھنا اور فریقین کو اس کا احترام کرنے پر مجبور کرنا ہوگا۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com